اے تو مجموعۂ خوبی.....

از: مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

وہ نابغۂ روزگار ہستیاں جن کی حسین یادیں صدیاں گذر جانے کے بعد بھی دلوں سے محو نہیں ہوتیں؛ بلکہ وہ دلوں میں زندہ جاوید رہتی ہیں اور یہ عالم رہتا ہے۔ ع

''رفتید ولے نہ از دلِ ما''

بلکہ ان کے ظاہری حجابِ ہستی کے ہٹ جانے کے بعد ان کے باطنی کمالات، خصوصیات اور امتیازات اور نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

وہ اپنی زندگی میں حتی الوسع بے نام ونشان رہنا پسند کرتے ہیں، اپنے کو چھپائے اور مٹائے رہتے ہیں؛ لیکن ان کے کمالات کا خالق ان کے کمالات کو ظاہر کردیتا ہے ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ''

لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان ظاہر وباہر کمالات کا احاطہ ہرکس وناکس کے بس کا بھی نہیں ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچینِ بہار تو زداماں گلہ دارد

ہمارے محبوب ومحترم استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی کی بالکل یہی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گونا گوں خصوصیات وکمالات کا ایسا جامع بنایا تھا کہ ان بہاروں کا گل چیں اپنی تنگیِ دامن پر نادم ہوتا ہے۔

جس طرح قطرۂ نیساں آغوشِ صدف میں پرورش پاکر گوہرِ آب دار بن جاتا ہے۔ اسی طرح ممتاز اور صالح فطرت افراد جب کیمیا اثر نگاہوں کا فیض پاتے ہیں تو آفتاب وماہتاب کی طرح چمک

اٹھتے ہیں۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ انتہائی خُردسالی میں یتیم ہوگئے۔علی گڈھ میں والد مرحوم اللہ کو پیارے ہوگئے وہ اسی کم سنی میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے بہت ہی شفیق پھوپھا حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے یہاں منتقل ہوگئے۔

دیوبند کی روح پرورفضاان کے لیے آغوشِ صدف ثابت ہوئی،کم سنی ہی سے علمائے دیوبند کی فیض آگیں صحبتوں کا اثر ان پر نمایاں ہوتا گیا۔آگے چل کرفخرالمحدثین حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں مسلسل حاضری، خدمت اوران کے علوم ومعارف کے بحرِ بیکراں سے بھرپوراستفادہ نے مولانا کی شخصیت میں نمایاں شان پیدا کردی۔استاذ کی فیض گستری اورشاگرد کی طلبِ صادق نے دونوں کوایک دوسرے پر فدا کردیا۔استاذ کا گھر ہی ان کی ساری تگ ودو کا مرکز بن گیا۔

نَسِيْتُ كُلَّ طَرِيْقٍ كُنتُ أعْرِفُهُ

إلّا طَرِيقاً يُؤَدِّيْنِيْ إلى ربعكم

شاگرد کی فداکاری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا حضرت الاستاذ کی خدمت میں تھے۔اسی دوران زلزلہ کے جھٹکے محسوس ہوئے۔دیگر حاضرین اپنے بچاؤ کے لیے محفوظ جگہوں کی طرف دوڑ پڑے۔مولانا نے فی الفور استاذ محترم کواپنی آغوش میں لے لیا۔اپنی حفاظت کی کوئی پرواہ نہیں کی۔انھیں فداکاریوں کا صلہ تھا کہ وہ اپنے استاذ کے علوم ومعارف کے سب سے بڑے امین اورشارح بنے۔ایضاح البخاری کے صفحات اس کے شاہد عدل ہیں۔استاذ محترم کے درس بخاری کواس جامعیت اورحسن وخوبی کے ساتھ مرتب کیا کہ وہ مولانا کا بھی بہت بڑا علمی کارنامہ ثابت ہوا۔حضرت مولانا کے بے نظیر درس کی محدثانہ شان اورفقہی نکتہ سنجیوں، علوم واسرار شریعت کے بحرِ بیکراں کواس شان کے ساتھ سمیٹا ہے کہ خود مولانا ہی کا یہ شعر سامنے آجاتا ہے۔

روشن ہے جمالِ انور سے پیمانۂ فخرالدین یہاں

مولانا نے ابتداء ہی سے دیوبند اورعلمائے دیوبند کو بہت قریب سے اور بڑی عقیدت سے دیکھا تھا؛اس لیے دارالعلوم کی نسیم جانفزا ان کی رگ رگ میں سماگئی تھی۔وہ علمائے دیوبند کے مسلک ومزاج اوران کی روایات کے حامل اورقدرآشنا تھے اوریہی مسلک ومزاج ان کی متاعِ گرانمایہ تھا

اوراس سے ذرا سا بھی انحراف انھیں گوارہ نہ تھا، وہ اپنے شاگردوں اور طلبائے دارالعلوم کو بھی انھیں راہوں پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ طلبائے مدارسِ عربیہ جو دورانِ تعلیم یونیورسٹیوں اور کالجوں کے امتحانات دیتے تھے یا انگریزی اور کمپیوٹر وغیرہ سیکھتے تھے مولانا کو ان کا یہ عمل بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ اس کو طالبانِ علوم نبوت کی شانِ بلند سے فروتر سمجھنے کے ساتھ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اصول کے بھی خلاف سمجھتے کہ علوم عربیہ کی تحصیل کے زمانے میں ان چیزوں میں انہماک علوم میں گہرائی وگیرائی پیدا ہونے سے مانع بن جاتی ہے۔ ہاں ان علوم سے پہلے یا بعد میں سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ع

شرکت غیر نہیں چاہتی غیرت میری

دارالعلوم دیوبند کا ترانہ جس وارفتگی اور کیف وشوق کے عالم میں لکھا، ترانوں کی دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، وہ ایک ادبی شہ پارہ بھی ہے۔ دارالعلوم کا حسین تعارف بھی اوراس کی ڈیڑھ سو سالہ خدمات کا بہترین اور جامع مرقع بھی ہے۔ اس ترانے کے سامنے کسی ترانے کا رنگ جما ہی نہیں۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

مولانا کی عظمتِ کردار کے مختلف جلوؤں پر نظر ڈالیں تو جلوؤں کی کشش سے حیرت ہوتی ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے۔

کائنات کی سب سے عظیم ہستی جناب سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کے سلسلہ میں حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ فرماتے ہیں: **إنَّ رَسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم كَانَ إذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزَعْ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِيْ يَنْزَعُ يَدَهُ وَلَا يُصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ حَتّٰى يَكُونَ هُوَ الَّذِيْ يُصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهِ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَىْ جَلِيْسٍ لَهُ.** (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف ج۲، ص ۵۲۰)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو آپ اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے؛ جب تک کہ وہی آدمی اپنا ہاتھ نہ کھینچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے؛ جب تک کہ وہی آدمی اپنا چہرہ نہ پھیرے۔ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے اپنے گھٹنے نہیں پھیلاتے تھے۔ حضرت انسؓ نے ان چند جملوں میں دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملہ کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاجِ مبارک کی پوری کیفیت بیان کردی ہے۔

کسی عظیم ترین ہستی کی طرف سے ہر طرح کے انسانوں کی عظمتِ نفس کی رعایت ان کی دل داری اور قدر افزائی کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

حضرت مولانا ریاست علی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج وطبیعت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ادائے مبارک سے ہم بہت قریب پاتے ہیں۔

وہ آنے جانے والوں کی کثرت، حاجت مندوں کی بار بار اور وقت بے وقت آمد سے کبھی چیں بہ چیں نہیں ہوتے تھے؛ ہر ایک ساتھ شفقت وعنایت، غایت اپنائیت کا معاملہ، پرسشِ احوال اور حاجت مندوں کی خندہ پیشانی کے ساتھ حاجت برآری ان کا مزاج تھا۔ ان کی مجلس میں ہر فرد برابر کا شریک تھا، کہہ ومہ کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ ہر شریکِ بزم اپنی بات کہنے کا پورا حق رکھتا تھا اور حضرت کی توجہات وعنایات کا مکمل حق دار ہوتا تھا۔ درمیان درمیان میں حضرت کی نکتہ سنجیاں مجلس کو زعفران زار بناتی رہتی تھیں۔

بہت سے وہ حضرات جن کا مولانا سے تعلق دارالعلوم دیوبند کی تدریس اور مختلف اہم ذمہ داریوں سے وابستگی سے پہلے تھا، مولانا نے آخر تک اپنے ان احباب سے تعلق اور ان سے بے تکلفی میں کوئی فرق واقع نہیں ہونے دیا، ان سے پہلے ہی جیسا اعزاز واکرام اور برتاؤ کا معاملہ رہا۔

دوپہر کا قیلولہ سنت ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھنے پڑھانے والوں کی ایک ضرورت بھی ہے، اس کی وجہ سے دوسرے وقت میں کام کرنے کی ہمت اور بشاشت پیدا ہوتی ہے۔ عام زندگی گذارنے والوں کے نزدیک قیلولہ کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ بہت سے لوگ عین اس وقت حضرت مولانا کی خدمت میں آجاتے، جب مولانا صبح کے گھنٹوں کی سرگرم محنت کے بعد دوپہر میں تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تھے۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتے مولانا فوراً بیدار ہوکر ان کو اندر بلا لیتے۔ ان سے بات کرتے، کسی طرح کی کبیدگی اور بے کیفی کا قطعاً کوئی اظہار نہ فرماتے، گھر کے لوگ کہتے آپ اندر مکان میں آرام فرمالیا کریں؛ تاکہ کچھ سکون حاصل ہوجائے۔ حضرت منع فرماتے اور باہری کمرے میں رہنا پسند فرماتے۔ مقصد یہی تھا کہ آنے جانے والے یا اپنی حاجتیں لانے والے پریشان نہ ہوں، اپنی راحت کو دوسروں کی راحت پر قربان کردینا انھیں بزرگوں کا حصہ تھا۔

یہ بھی درخواست کی گئی کہ ملاقات کے لیے کوئی وقت متعین فرمادیں۔ برجستہ فرمایا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملنے کا کوئی وقت متعین فرمایا تھا؟

حضرتؒ کی ذہانت، فطانت، نکتہ رسی، حاضر جوابی نوادرِ روزگار میں سے تھی، بذلہ سنجی اور مزاح

لطیف سے بھی اللہ نے انھیں خوب نوازا تھا، اگران کو جمع کیا جائے تو ''کتاب الاذکیا'' جیسا بہترین مجموعہ مرتب ہوجائے۔

وہ لوگوں کے بہت ہمدرد، بے حد خیرخواہ تھے۔ان کی زندگی دوسروں کی بھلائی کے لیے وقف تھی؛مگر دوسروں کا احسان مند ہونا انھیں پسند نہیں تھا۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

وہ امتِ مسلمہ اور عالمِ اسلام کے سلسلہ میں دلِ درمند رکھتے تھے،قومی اور ملی مسائل کی انھیں بہت فکر رہتی تھی۔اس سلسلہ میں جمعیۃ علمائے ہند اور اس کے اکابر سے وہ ہمیشہ وابستہ رہے اور اس وابستگی پر انھیں فخر تھا۔وہ طویل عرصہ تک جمعیۃ علمائے ہند کی مجلسِ عاملہ کے اہم رکن اور نائبِ صدر رہے؛ جب تک ہمت وتوانائی رہی اس کے اجلاس اور میٹنگوں میں اہمیت کے ساتھ شرکت فرماتے۔ اپنے اعذار کی وجہ سے اگر کسی اجلاس میں نہ شریک ہوتے تو اس اجلاس کی تمام تفصیلات جاننے کا اہتمام فرماتے، جمعیۃ کے عاملہ کے اجلاسوں میں ان کی رائے اور مشوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ان کی رائے ہر ایک کے لیے قابل لحاظ تھی۔ جمعیۃ کے بڑے بڑے اجلاس میں ان کی تقاریر بڑی پُرمغز اور اکابر کی روایات اور روح کے مطابق اور ہم جیسے نو واردوں کے لیے گرہ کشا ہوتی تھیں۔

تواضع اور فروتنی ان کی خاصۂ طبیعت تھی؛ لیکن سرگرانوں کے سامنے وہ سبک سر بھی نہیں تھے۔ کلمۂ حق کے اظہار میں وہ بہت جری تھے،اس سلسلہ میں کسی بڑے سے بڑے کا رُعب وجلال انھیں مرعوب نہیں کرسکتا تھا۔

زہد واستغنا میں بھی وہ اپنے اکابر واسلاف کے ہم رنگ تھے،وہ بعض دفعہ مقروض بھی رہے؛ لیکن اہلِ ثروت ودولت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔وہ دینی غیرت وحمیت میں بھی بے نظیر تھے۔آخر میں اس مصرع پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ ع

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

❁ ❁ ❁